ضیاء الدین لاہوری

سر سید بیچارہ قابلِ گردن زدنی کیوں؟

روز نامہ ''دن'' پیام شاہجہان پوری نے اپنے کالموں میں ''سر سید احمد خان کا گناہ'' کے زیر عنوان ایک اہم نقطہ نظر پیش کیا ہے، اگر اسے گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ ان لوگوں کے لئے جو سرسری مطالعے کی عادت رکھتے ہیں' برین واشنگ کی ایک دانستہ کوشش محسوس ہوتی ہے جبکہ تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے نزدیک ان کے نتائج محض الفاظ کی ہیرا پھیری ہیں۔ موصوف اس سے پیشتر بھی متعدد بار اس موضوع پر طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ ان کی مقالہ نما تحریر کا خاص پہلو اُن کا تحقیقی انداز ہے۔ انہوں نے ایسے فتوے پیش کئے ہیں۔ جن میں ایک مخصوص ٹولے کے قوم دشمن کرتوت بظاہر جائزہ دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل وہ اپنی طرف سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزی حکومت کی مخالفت شرعاً حرام تھی۔ دوسرے الفاظ میں برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی خاطر انگریزوں کے خلاف جو قربانیاں دیں وہ ان کا ایک ناجائز فعل تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ صاف صاف بات کرنے سے گریزاں ہیں ورنہ ان کی نام نہاد تحقیق سے واضح طور پر نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ آزادی کی جدوجہد میں پاکستان کا قیام' جس کا حصول بہر حال انگریزی حکومت کی مخالفت کے بغیر ممکن نہ تھا' ناجائز ذریعے سے عمل میں آیا۔ راقم ان کی تحریر کو حسب سابق نظر انداز کر دیتا مگر انہوں نے جو آخر میں سوالیہ چیلنج کر ڈالا کہ کیا کسی کے پاس ان حقائق کا جواب ہے؟'' اس نے مجبور کیا کہ موصوف کی مبینہ تحقیقی کاوشوں کا اصل پس منظر پیش کیا جائے تا کہ سادہ لوح قارئین چیلنج کا جواب نہ پا کر ان کی باتوں کو کہیں حقیقت نہ سمجھ بیٹھیں۔ اخباری کالموں کی تنگ دامنی پیش نظر ہے' جواب میں اختصار کی انتہائی کوشش کے باوجود حقائق کی وضاحت میں ہلکی سی طوالت مجبوری ہے۔ (گو تشنگی پھر بھی محسوس ہو گی کیونکہ محدود ضمانت کے باعث مسئلہ کے ہر پہلو پر بحث ممکن نہ ہو سکے گی) ورنہ راقم کے پاس اس قدر مواد موجود ہے کہ موصوف کے زیر تسلط جرائد کے بار بار شائع ہونے والے ''۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر'' کے جواب میں کئی گنا ضخیم نمبر تیار کئے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات غور طلب ہے کہ موصوف کو اس دور میں جبکہ برصغیر میں انگریزوں کی غاصب حکمرانی کا نظریہ قبول کیا جا چکا ہے اور 1857ء کی جدوجہد ''جنگِ آزادی'' تسلیم کی جاتی ہے' انگریزوں کی حکومت کو جائز ثابت کرنے کی اب کیا ضرورت پیش آ گئی۔ وہ اپنے نظریے کے جواز میں مسلمانوں کی مختلف فرقوں کے علماء کے فتاویٰ پیش کرتے ہیں اور ہوشیاری یہ دکھاتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل ادوار کے مختلف حالات کے پس منظر میں تحریر کئے گئے فتووں کے نتائج کو زبردستی پیچھے لے جا کر 1857ء پر منطبق کر دیتے ہیں۔ وہ اس جدوجہد کو ''فساد'' قرار دینے والوں کی شان میں پورے جوش سے رطب اللسان ہیں اور ان کے لیے بڑے معزز القابات تحریر کرتے ہیں۔ وہ فتوے دینے والے علماء کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں ممتاز دینی شخصیت، جید عالم، اکابرین، فاضل علماء، بزرگ، شیخ الکل اور بے نفس عالم وغیرہ وغیرہ خطابات سے نوازتے ہیں۔

موصوف نے اپنے مسلک کی حمایت میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی ممانعت کے حق میں جن نکات کی نشاندہی کی ہے

ان کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں بحث کی وسیع گنجائش موجود ہے وہ ان فتوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان حکومت انگریزی سے وفاداری کا عہد و پیمان کر چکے تھے۔ اس لیے ان کی مخالفت کسی صورت نہیں کر سکتے تھے۔ کون سا عہد و پیمان؟ کس نے کس حیثیت میں یہ عہد و پیمان کیا؟ کہاں کوئی معاہدہ ہوا؟ اس معاہدے کی شرائط کیا تھیں؟ کیا یہ انتظامی نوعیت کا معاہدہ تھا یا اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ ہندوستانی مسلمان انگریزوں کو باضابطہ حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وہ ان کے وفادار رہیں گے؟ بالفرض محال اگر کسی معاہدے کی خبر گھڑ بھی لی جائے تو کیا انگریزوں نے اس معاہدے کی پاسداری کی یا حدود سے تجاوز کیا؟ اور کیا حدود تجاوز کرنے پر معاہدے برقرار رہتے ہیں؟ پھر جن ادوار میں متذکرہ فتوے لکھے گئے، کیا ان میں کوئی معاہدے زیرِ عمل تھے؟ انگریزوں کے مقابلے میں فریق ثانی کون تھا اور کس بنیاد پر وہ فریق برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق دار قرار پایا تھا؟ کیا استفسار کرنے والوں اور فتوے دینے والوں نے اپنے سوال و جواب میں مسئولہ نکات کو واقعی مدنظر رکھا؟ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ''انگریزی حکومت اور رعایا کے درمیان ایمان و پیمان موجود ہے'' بات نہیں بن جاتی۔ ان تمام نکات پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر موجود نشست میں ان تمام باتوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ ماضی کے تصوراتی عہد و پیمان کی بات کریں تو کل کلاں اگر ہماری کوئی اقلیت خدانخواستہ ہمارے کسی دشمن سے اپنی غلامی کا کوئی معاہدہ کر لے تو کیا پاکستانی مسلمانوں پر اس کی پابندی واجب ہو جائے گی؟

ایک بات راقم کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آ سکی کہ موصوف ایک خاص مسئلہ کے ضمن میں سرسید کے دفاع میں تو بہت فعال دکھائی دیتے ہیں مگر اس بحث میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام تک بھی نہیں لیتے۔ حالانکہ سرسید کی طرح مرزا صاحب بھی بہت مطعون ہیں۔ وہ بھی تو اس معاملے میں اسلام کا نام لے کر وہی کچھ کہتے رہے۔ جو سرسید نے فرمایا تھا مگر موصوف ان کے دفاع میں آگے نہیں آتے۔ اسے تجاہل عارفانہ کا نام دیا جائے یا کوئی خاص مصلحت؟ ایک ہی مسلک کے نہایت ہی قابل احترام علماء کے متضاد فتوؤں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ البتہ کسی فتوے کے نتائج سے اتفاق یا اختلاف سے قطع نظر یہ امر مسلّم ہے کہ موصوف کے پیش کردہ فتوؤں کی عبارت ان مغلظات اور لعن طعن سے یکسر خالی ہے جو سرسید اور مرزا قادیانی کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ موصوف ''۱۸۵۷ء کا جہاد'' یا ''سرسید احمد خان کا گناہ'' کے عنوانات کے تحت جب بار بار انہی فتوؤں کا سہارا لیتے ہیں تو یہ شک قوی ہو جاتا ہے کہ سرسید کے دفاع کی آڑ میں اصل مقصود مرزا غلام احمد قادیانی کو بچانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اشخاص اس مسئلے پر ''متفق علیہ'' اور حیران کن حد تک ہم آہنگ و ہم زبان تھے۔ اس موضوع پر ان کے اقوال زبان و بیان کی بندش اور طرزِ تحریر کے اعتبار سے اس قدر یکساں ہیں کہ بعض اوقات ان کی بناوٹ ایک ہی کارخانے کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بات اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ موصوف کے القابات یافتہ علماء کے فتوؤں کے مقابلے میں ان دونوں کی یک زبانی کے نمونے پیش نہ کیے جائیں جن کی پردہ پوشی کی خاطر لوگ تحقیق کے نام پر بڑے بڑے پرفریب جال بنتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے موضوع پر ان حضرات کے اقوال کا ایک خاکہ ملاحظہ فرمائیں:

قول سرسید

''ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا اعلان ہوا......اس زمانہ میں جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا' ایسے

خراب اور بدرویہ اور بداطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ کے اور کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا۔‘‘

(اسباب سرکشی ہندوستان، صفحہ 7,6)

قول مرزا قادیانی

’’1857ء میں مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا۔‘‘

(ازالہ اوہام، صفحہ 722)

قول سرسید

’’اس ہنگامہ میں نہایت بدمعاش اور جاہل، بے علم آدمی، جو مولویوں کے نام سے مشہور تھے......ان کو تمام اخباروں میں اس طرح چھاپا گیا جیسا کہ کوئی سچ مچ کا مولوی اور مسلمانوں کا بڑا عالم اور بڑا خدا پرست ہے......حالانکہ وہ لوگ محض جاہل اور بے علم اور واہی آدمی تھے۔ کوئی مسلمان ان کو اچھا نہیں جانتا تھا اور ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں میں مذہب کی باتوں میں مقتدا اور مولوی نہ تھا۔ جس قدر کہ اچھے اور خدا پرست اور سچ مچ کے مولوی اور درویش تھے، ان میں سے کوئی شخص اس فساد میں شریک نہیں ہوا۔‘‘

(لوئل محمڈنز آف انڈیا (۲) صفحہ 10)

قول مرزا قادیانی

’’1857ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلاء اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان، جو باعمل اور باتمیز تھا، ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا۔‘‘ (براہین احمدیہ (3) صفحہ 68)

قول سرسید

’’اس ہنگامہ میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی...... ہاں، البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورا کرنے کے اور جاہلوں کے بہکانے کو اپنے ساتھ جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرامزادگی تھی، نہ واقع میں جہاد۔‘‘ (اسباب سرکشی ہندوستان، صفحہ 7)

قول مرزا قادیانی

’’جب ہم 1857ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں، جنہوں نے عام طور پر مہریں لگادی تھیں، کہ انگریزوں کو قتل کرنا چاہیے تو ہم بحر ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جنہیں نہ رحم نہ عقل، نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔‘‘ (ازالہ اوہام، صفحہ 723)

قول سرسید

’’یہ ہنگامہ فساد جو پیش آیا صرف ہندوستان کی ناشکری کا وبال تھا......تم نے کبھی خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور ہمیشہ ناشکری

کرتے رہے۔ اس لیے خدا نے اس ناشکری کا وبال تم پر ڈالا۔'' (سرکشی ضلع بجنور۔ صفحہ 141۔142)

قول مرزا قادیانی

''1857ء میں مفسدہ پرداز لوگوں کی حرکت کو خدا نے پسند نہیں کیا اور آخر طرح طرح کے عذابوں میں وہ مبتلاء ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے محسن اور مربی گورنمنٹ کا مقابلہ کیا۔'' (تحفہ قیصریہ۔ صفحہ 11)

اس کے علاوہ سرسید نے اپنی تصانیف میں بار بار مجاہدین کو مفسد، حرام زادہ، نمک حرام، غنیم، دشمن، غدار، کافر، بے ایمان، بدذات، بدمعاش وغیرہ ناموں سے پکارا۔ میں یہاں محترم موصوف ہی کے انداز میں یہ دہائی دینے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا متذکرہ علماء کے فتووں کی زبان بھی ایسی گندی تھی؟ لوگو! انصاف کرو انصاف!

موصوف کالم نگار ایک جگہ فرماتے ہیں: ''یہی مؤقف سرسید احمد خان کا تھا کہ سلطنت برطانیہ میں مسلمان امن وامان کی زندگی گزار رہے ہیں اور انگریزی حکومت ان کی دینی و معاشرتی امور میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اس لیے انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں۔'' میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ سرسید کے اس موقف کو بیان کرتے ہوئے موصوف نے بد دیانتی سے کام لیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا مطالعہ سرسید نامکمل ہو کیونکہ سرسید اس معاملے میں مسلمانوں کے خلاف نہایت سخت رویہ رکھتے تھے۔ ایڈیٹر پاپونیئر کے نام ایک مکتوب میں انہوں نے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اگر بالفرض گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کچھ دست اندازی بھی ہو تو ان کے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ جائیں۔ نہ کہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں بغاوت کریں۔'' (مکاتیب سرسید احمد خان۔ صفحہ 66)

اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں: ''جو لوگ اس ملک میں جہاد بطور رعیت کے رہتے ہوں یا امن کا اعلانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو اور اگر بوجہ اسلام ان پر ظلم ہوتا ہو تو بھی ان کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔'' (تفسیر القرآن (1) صفحہ 239)

غور فرمائیں کہ انگریز ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ دست اندازی کریں بلکہ بوجہ اسلام ان پر ظلم کریں تو بھی سرسید مسلمانوں کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیا موصوف کے پیش کردہ علماء کے فتووں میں مسلمانوں کو اس قدر بے غیرت بن جانے کی کوئی دلیل ملتی ہے؟ لوگو! انصاف کرو انصاف!

آخر میں اس قدر عرض کروں گا کہ موصوف خود علماء کے فتووں کی عبارت کا سرسید کی تحریروں سے موازنہ کریں (سرسید کے ''جاسوسی کارناموں'' کا میں نے ابھی ذکر نہیں کیا) اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ کس نے کس حد تک قوم دشمنی یا غداری کا ارتکاب کیا۔ موصوف بار بار اس بات کا گلہ کرتے ہیں کہ صرف ''سرسید غریب کیوں کشتنی و قابل گردن زدنی؟'' تو عرض ہے کہ اس قبیل میں مرزا قادیانی، میر جعفر، میر صادق بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ موصوف کے بیان کردہ شرعی تقاضوں کی روشنی میں سرسید سے کہیں زیادہ انگریزوں کے ''باعمل'' وفادار ثابت ہوئے تھے کیا ایسی صورت میں موصوف پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ان اشخاص کے بھی دفاع کا فریضہ انجام دیں، بھرپور کالم لکھیں اور ''ثواب دارین'' حاصل کریں؟